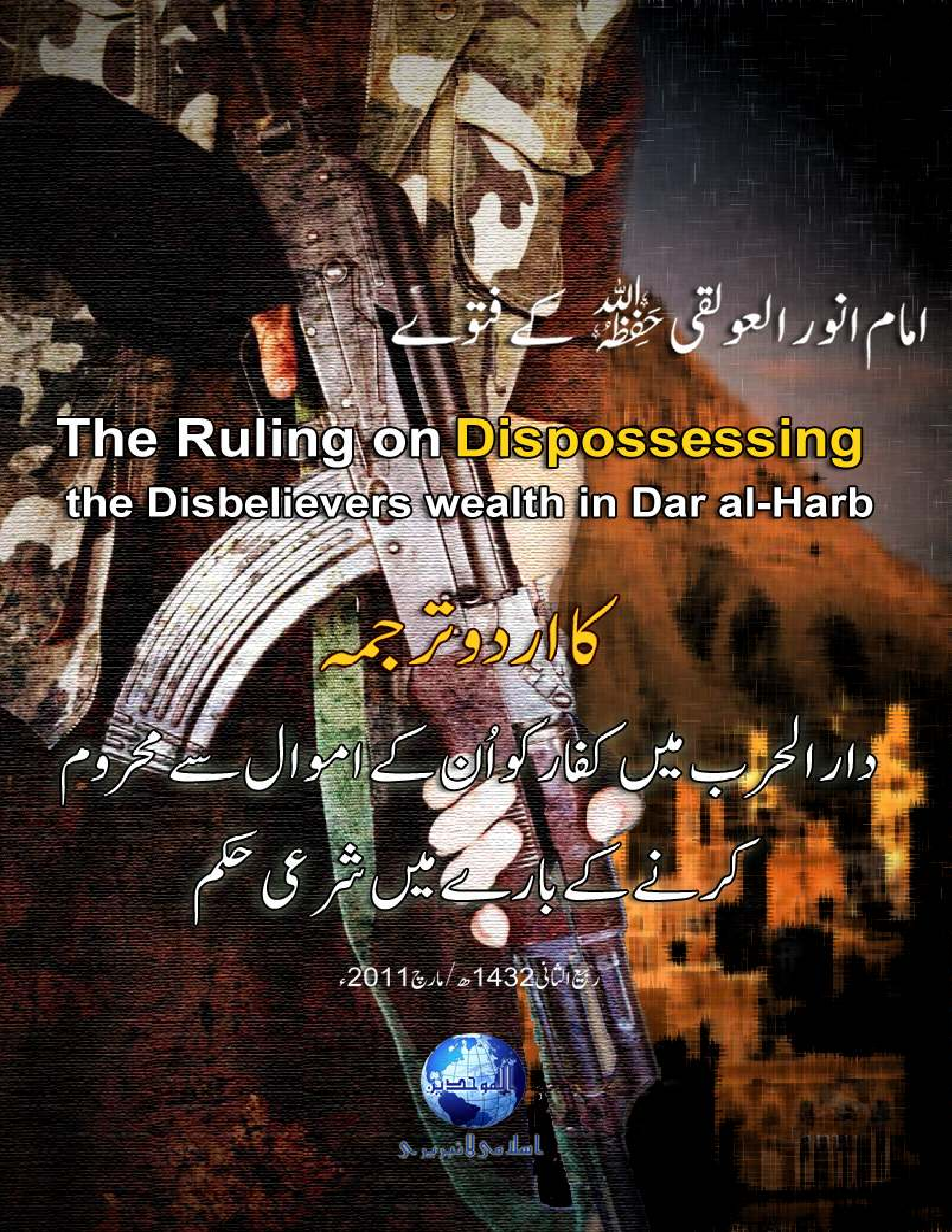
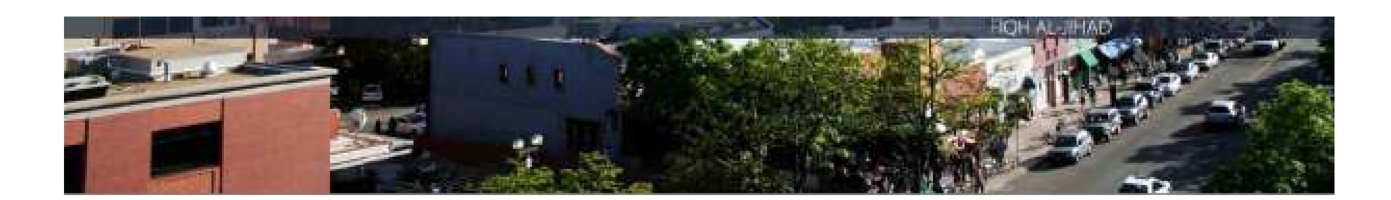


امام انور العولقی حفظہ اللہ کے فتوے
The Ruling on Dispossessing
the Disbelievers wealth in Dar al-Harb
کا اردو ترجمہ
دارالحرب میں کفار کو اُن کے اموال سے محروم
کرنے کے بارے میں شرعی حکم
ربیع الثانی 1432ھ / مارچ 2011ء
الموحدین
اسلامی لائبریری



(فقہ الجہاد)

الملاحم میڈیا کے پیش کردہ انگریزی میگزینInspire (انسپائر) کے چوتھے شمارے سے ماخوذ

امام انور العولقی حفظہ اللہ کے فتوے

The Ruling on Dispossessing the Disbelievers wealth in Dar al-Harb

کا اردو ترجمہ

دار الحرب میں کفار کو اُن کے اموال سے محروم کرنے کے بارے میں شرعی حکم

[ربیع الثانی 1432ھ/مارچ 2011ء]

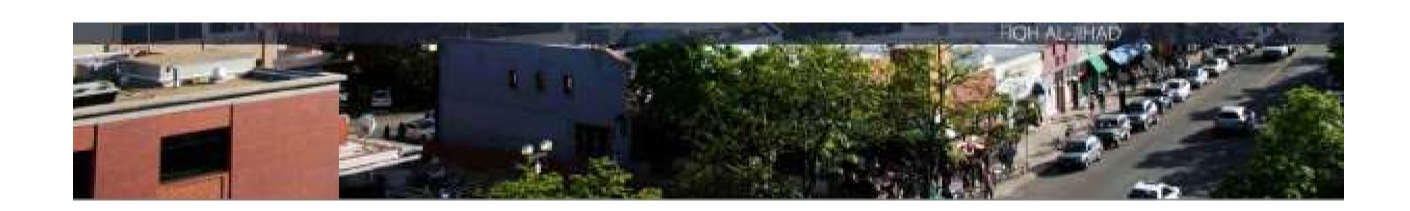


اخوانکم فی الاسلام:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website: http://muwahideen.co.nr/

Email: salafi.man@live.com



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلامتی اور رحمت ہو اس کے رسول محمد ﷺ پر۔

اسلام کفار کے اموال پر قبضہ کرنے کے بارے میں مخصوص شرائط بیان کرتا ہے۔ ہمارے علمائے سلف کے مطابق جہادی مقاصد کی خاطر کفار کے اموال پر قبضہ کرنا جائز ہو جاتا ہے' اگرچہ (قبضہ کرنے والا) شخص فوج یا امام کے بغیر (تنہا ہی) کیوں نہ ہو۔ لیکن اِس ضمن میں بھی کچھ شرائط عائد ہوتی ہیں۔ اِس موضوع پر لوگوں کی لاعلمی کی وجہ سے مجھے محسوس ہوا کہ اِس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

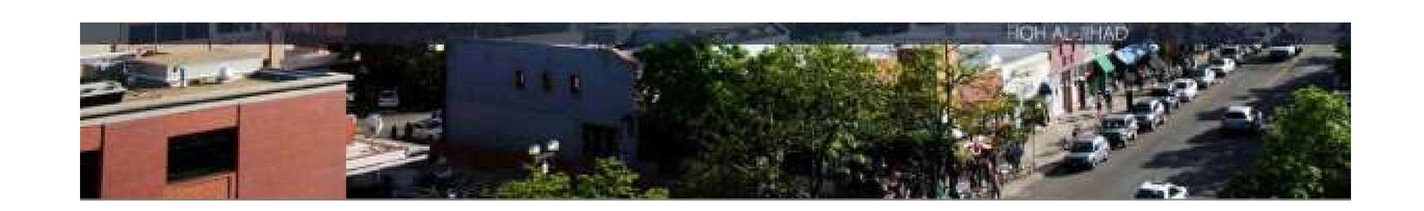
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتی یعبد الله وحده، لا شریك له، و جعل رزقی تحت ظل رمحی، و جعل الذل و الصغار علی من خالف أمری"

"مجھے قیامت سے قبل تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے' یہاں تک کہ صرف ایک اللہ کی بلاشرکت غیرے بندگی ہونے لگے، اور میرا رزق میرے نیزے کے سایے تلے رکھ دیا گیا ہے اور میری نافرمانی کرنے والے کے لئے ذلت اور مسکنت طے کر دی گئی ہے" (اسے احمد نے روایت کیا ہے۔)

یہ عظیم حدیث ہمارے دین کے متعلق بعض اہم پہلو ظاہر کرتی ہے:

☆ محمد ﷺ تلوار کے ساتھ مبعوث ہوئے: رسول اللہ ﷺ اور ان کے بعد آنے والے مجاہدین نے قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اسلام کی روشنی تمام نوعِ انسانی تک پہنچائی۔

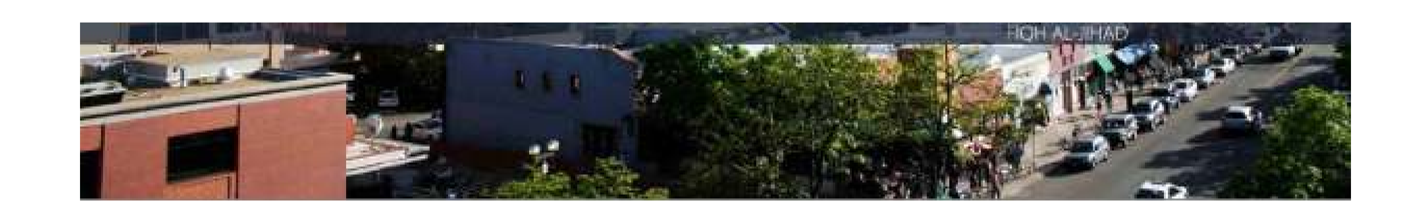


☆ رزق کا افضل ترین مصدر جنگ سے حاصل ہونے والی غنیمتیں ہیں اور سب سے بہترین پیشہ اللہ کی راہ کا سپاہی ہونا ہے۔ اللہ کے دشمنوں سے قوت کے ذریعے حاصل کیا جانے والا مال غنیمت اُس مال سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور خالص ہوتا ہے جو مال بطور تاجر' انجینئر' ڈاکٹر' یا کاشتکار کے کمایا جاتا ہے، اور ایسا صرف اِس وجہ سے ہے کہ یہ کمائی کا وہ ذریعہ تھا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کے لئے پسند فرمایا۔ مجاہد کے طور پر کام کرنا سنّت ہے۔

☆ آخر کار رسول اللہ ﷺ اور اُن کے امّت کے تمام دشمن ذلّت اور شرمندگی سے دوچار ہوں گے۔

جہاد کی خاطر الشّام کی طرف ہجرت کر کے جانے والے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے وہاں زرعی زمینیں لے کر کاشت کرنی شروع کر دیں۔ یہ پانی کی وافر دستیابی کے ساتھ زرخیز زمینیں تھیں' اور انہوں نے اپنے اصل وطن حجاز میں ایسی زمینیں نہیں دیکھی تھیں۔ جب خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ فصل پکنے تک خاموشی سے انتظار کرتے رہے اور اس سے پہلے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تیار فصل کی کٹائی کر پاتے انہوں نے حکم دیا کہ فصل والی زمینوں کو آگ لگا دی جائے۔ پھر انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور ان سے فرمایا: **''زمین کاشت کرنا اہل کتاب کا کام ہے۔ جبکہ تمہیں چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں لڑو۔''** (ابن رجب الحنبلی کی کتاب ''شرح الحدیث: 'بعثت بین یدی الساعۃ بالسیف... '' سے ماخوذ۔) عمر رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے پیشوں کی وجہ سے زمین کے ساتھ جڑ جائیں جو اُن کا جہاد فی سبیل اللہ سے پیچھے بیٹھ رہنے کا سبب بن جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ ایسی پابندیوں سے آزاد رہیں جو باقی نوع انسانی کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے جڑے ہوئے ہیں، یعنی اہل کتاب، انہیں یہ عامیانہ کام کرنا چاہیئے۔ لیکن تم مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنا رزق بزورِ شمشیر حاصل کرو۔

قبل از اسلام رسول اللہ ﷺ نے پہلے چرواہے اور پھر تاجر کے طور پر کام کیا۔ لیکن بعثت کے بعد انہوں نے یہ کام چھوڑ دیے اور اپنا تمام تر وقت اسلام کا پیغام پھیلانے میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ............بہت سے لوگوں کا جو تصور ہے اُس کے



بالکل برعکس .... رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد کام نہیں کیا۔ جب انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس کے بعد اُن کے رزق کا ذریعہ جنگوں سے حاصل ہونے والی غنیمتیں تھیں۔

آج بعض مسلمان کفار سے قوت کے زور پر حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت کے استعمال میں شاید اطمینان محسوس نہیں کرتے اور انہیں تنخواہ کے طور پر یا تجارت کے نتیجے میں جو آمدن ہوتی ہے وہ اسے آمدنی کی افضل شکل تصور کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ مالِ غنیمت رزق کا افضل اور خالص ترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"...وأحلت لی الغنائم..."

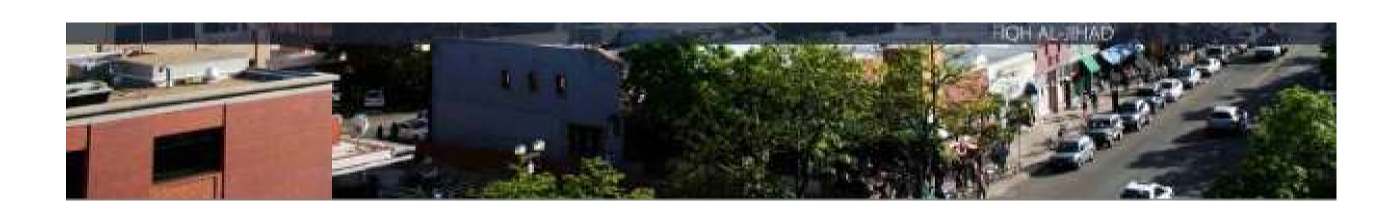
"... اور جنگ کی غنیمتیں میرے لئے حلال کر دی گئی ہیں... " (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

1 غنیمت اور فے

یہ مال کی دو اقسام ہیں جو دشمن سے حاصل ہوتی ہیں۔ ذیل میں ہر ایک کی تعریف درج ہے:

غنیمت کفار سے زبردستی حاصل کیا جانے والا مال ہے۔ یہ مجاہدین کی قوت کے زور پر حاصل ہوتا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے لگائی گئی ہوتی ہے۔ (الجرجانی۔)

فے کفار کا وہ مال ہے جو اُن سے لڑائی کیے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ (المقدسی کی "الشرح الکبیر"۔)



غنیمت اور فے کے احکامات:

جب غنیمت اکٹھی کرلی جاتی ہے تو پھر اس کا ایک بٹا پانچ (پانچواں) حصّہ الگ کر دیا جاتا ہے جسے "تخمیس" کہتے ہیں، جس کے لئے آگے میں "پانچویں حصّے کا حکم" کی اصطلاح استعمال کروں گا۔بقیہ (80 فیصد) لڑنے والوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔پانچویں حصّے کی تقسیم کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔کچھ کہتے ہیں کہ یہ جہاد پر خرچ ہونا چاہیے جبکہ کچھ کا کہنا ہے کہ اسے مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے خرچ ہونا چاہیے اور بعض کی رائے کے مطابق اس کا کچھ حصّہ اسلامی ریاست کے علماء اور قضاء پر خرچ ہونا چاہیے۔

جہاں تک فے کا تعلق ہے تو یہ مسلمانوں کے بیت المال (خزانے) میں جاتا ہے۔

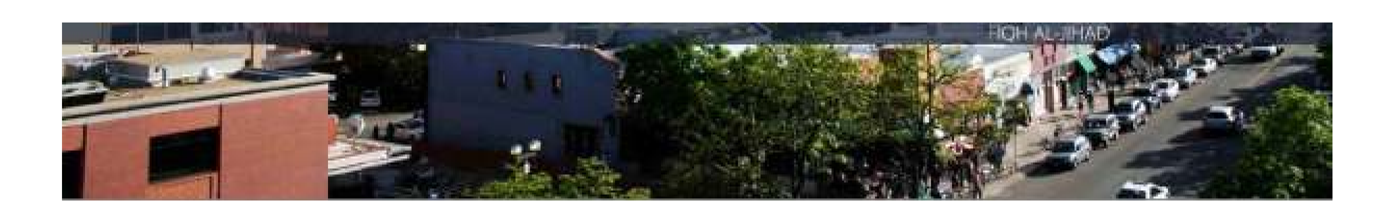
چنانچہ غنیمت اور فے میں فرق یہ ہے کہ غنیمت کا چار بٹا پانچ حصّہ مجاہدین کا ہوتا ہے جبکہ فے میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔

کیا آج مغرب میں کفار سے اموالِ غنیمت اور فے حاصل کیے جاسکتے ہیں؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے پہلے ہمیں مندرجہ ذیل دو سوالوں کے جواب دینے ہوں گے:

ا۔ کیا مغربی ممالک دار الحرب (ارض الحرب) کے زمرے میں آتے ہیں یا دار العھد (ارض العھد) کے زمرے میں؟

۲۔ اگر مغرب دار الحرب ہے تو پھر کیا وہاں پر رہنے والے مسلمان کسی ایسے معاہدے کے پابند ہیں جو انہیں اپنی رہائش کے ممالک کو نقصان پہنچانے سے روکتا ہو؟



پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دور حاضر میں کوئی ایسی مسلمان قیادت نہیں ہے جو کفر کی امت سے کسی معاہدے میں داخل ہونے کی مجاز ہو۔ ایسا اِس لئے ہے کہ مسلم دنیا کی حکومتیں بہت سی وجوہات کی بنیاد پر اپنی شرعی حیثیت کھو چکی ہیں جن میں یہ شامل ہیں:

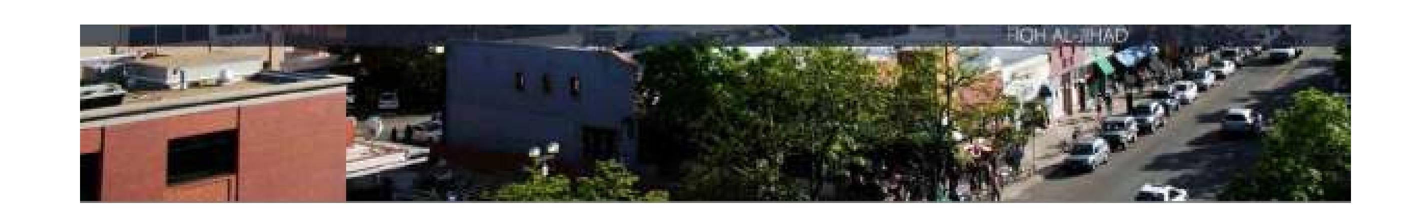
- انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق حکومت۔
- کفار سے دوستی۔
- اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دوستوں (اولیاء اللہ) سے لڑائی۔

لہٰذا عالم اسلام کی حکومتوں اور دیگر فریقوں کے درمیان کوئی بھی معاہدے یا اقرار نامے باطل (غیر شرعی) حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسری بات: کوئی بھی قوم جو مسلمانوں سے جنگ میں (براہِ راست) داخل ہوتی ہے یا مسلم اراضی پر حملہ کرنے میں شمولیت اختیار کرتی ہے وہ فی الحقیقت دار الحرب بن جاتی ہے۔ لہٰذا تمام مغربی ممالک جو افغانستان یا عراق یا کسی بھی اور مسلم ملک پر قبضے میں فعال شمولیت رکھتے ہیں وہ دار الحرب قرار پاتے ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب دینے کے لئے:

یہ ایک حساس معاملہ ہے لہٰذا اِس کا احاطہ ایک الگ رسالے میں کیا جائے گا، انشاء اللہ۔ تاہم، میرے نزدیک اِس معاملے کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے اور دار الحرب کے ممالک کے درمیان پائے جانے والے شہریت اور ویزوں کے معاہدوں کی وجہ سے پابند نہیں ہیں۔



ہمارے علماء کا اتفاق رائے ہے کہ دار الحرب میں کفار کی املاک مسلمانوں کے لئے حلال ہیں اور مجاہدین کے لئے جائز ہدف ہیں۔ یہ بھی ایک متفق علیہ معاملہ ہے چنانچہ اِس نکتے کی مزید تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

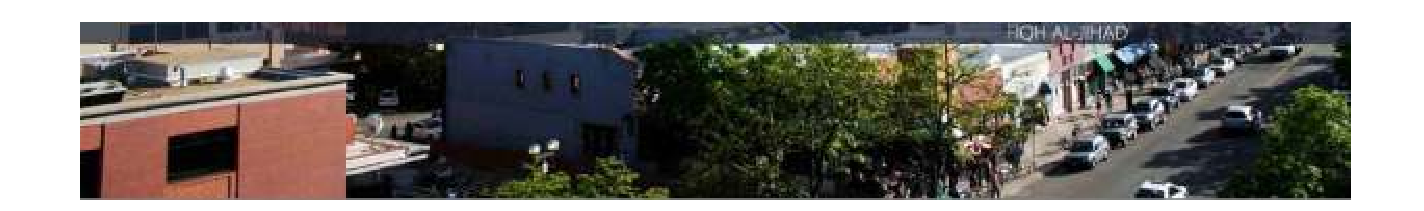
فقہی انسائیکلوپیڈیا (الموسوعۃ الفقہیۃ) میں بیان ہے:

> ''اہل الحرب کی املاک اور اُن کا خون مسلمانوں پر حلال ہے اور اِس میں سے کسی بھی چیز کو امن (حفاظت کی حیثیت) حاصل نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اُن کی جانیں اور املاک ہر ممکنہ طریقے سے لے لینے کا حق حاصل ہے، کیونکہ وہ ہمارے ساتھ بھی یونہی کرتے ہیں۔ اِس معاملے پر علماء کا اتفاق رائے ہے۔''

ماضی میں مسلم افواج کفار کے ملکوں کی طرف پیش قدمی کرتی تھیں اور ان کے اموال پر قبضہ کرتیں اور انہیں شریعت کے اصولوں کے تحت تقسیم کرتیں: اگر تو اموال لڑائی کے نتیجے میں حاصل کیے جائیں تو یہ غنیمت ہیں اور اگر یہ لڑے بغیر حاصل ہو جائیں تو یہ فے ہیں۔

اب چونکہ جہاد کی جدید صورت اُس روایتی انداز' جو ہماری تاریخ کے بیشتر حصّے میں رائج رہا' کے بجائے گوریلا اندازِ حرب ہے' تو یہ بات غنیمت اور فے کے احکامات پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟

آج جہاد زیادہ خفیہ اور رازدارانہ طور پر ہو رہا ہے اور زیر زمین نیٹ ورکس کے ذریعے انجام دیا جا رہا ہے۔ اِس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے: کیا مجاہدین کے یہ نیٹ ورکس دار الحرب میں کفار کے اموال پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے خفیہ طریقے استعمال کر سکتے ہیں؟ اور اگر اِس کا جواب ہاں ہے تو پھر یہ مال' غنیمت کے زمرے میں آئے گا یا فے کے زمرے میں یا دونوں زمروں میں نہیں؟ مزید یہ کہ اِس کی تقسیم کیسے ہو گی؟



اور یہ بات بھی ہمارے علمائے سلف کے مرہون منت ہے کہ انہوں نے ایسے مسائل تک کے جوابات فراہم کر دیے ہیں اور ہماری فقہ کی کتابوں میں اُن کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔ پس الحمدللہ ہمیں دور حاضر کے ایسے بہت سے علماء سے رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں ہے جو یا تو عالمِ اسلام کی مرتد حکومتوں کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

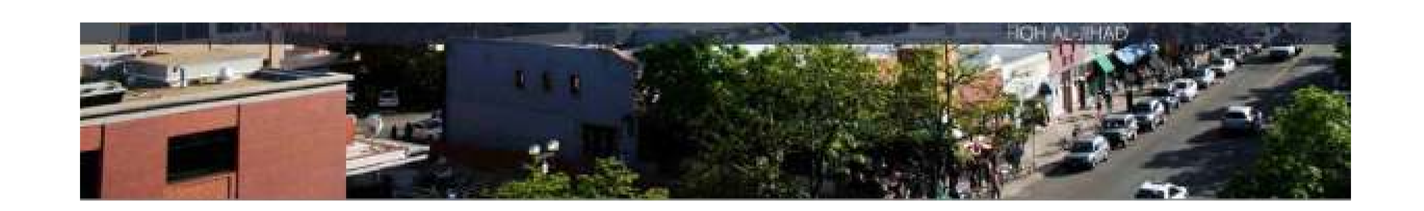
اگر کوئی ہماری فقہ کی قدیم معیاری کتب کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہو گا ہے کہ چاروں (فقہی) مذاہب میں سے حنفی مذہب نے ایسے موضوعات کا سب سے زیادہ احاطہ کیا ہے۔ ایسا غالباً اِس وجہ سے ہے کہ ہماری تاریخ میں حنفی مذہب دیگر مذاہب کی نسبت سب سے طویل عرصے کے لئے ریاست کا سرکاری مذہب رہا۔ چنانچہ یہ مذہب جہاد سے متعلق مسائل کو زیادہ گہرائی سے بیان کرتا ہے کیونکہ اس وقت اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی جہاد فی سبیل اللہ تھی۔ لہٰذا میں سب سے پہلے فقہ حنفی کی کتب سے اقتباسات درج کرنے سے آغاز کروں گا:

حنفی رائے:

الناطقی بیان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے:

"اگر کوئی فرد تنہا دار الحرب میں داخل ہو گیا اور اُس نے وہاں سے غنیمت حاصل کر لی اور اس علاقے میں اور کوئی مسلمان سپاہی نہیں تھے تو پھر اس (مالِ غنیمت) پر پانچویں حصّے کا حکم لاگو نہیں ہو گا۔ ایسا صرف اُس صورت میں ہوتا ہے جب نو سے کم آدمی ہوں۔ جب آدمیوں کی تعداد نو تک پہنچ جائے تو پھر وہ سریہ (فوجی دستہ) تصور کیے جاتے ہیں۔"

چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اگر گروہ نو سے کم آدمیوں پر مشتمل ہے تو پھر وہ جو اموال حاصل کریں وہ غنیمت شمار نہیں ہوں گے لہٰذا اُن پر اسلامی حکومت کو پانچواں حصّہ (جب علماء پانچویں حصّے کے حکم کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے مال کا شمار غنیمت کے زمرے میں کیا گیا ہے۔) دینا واجب نہیں ہو گا۔



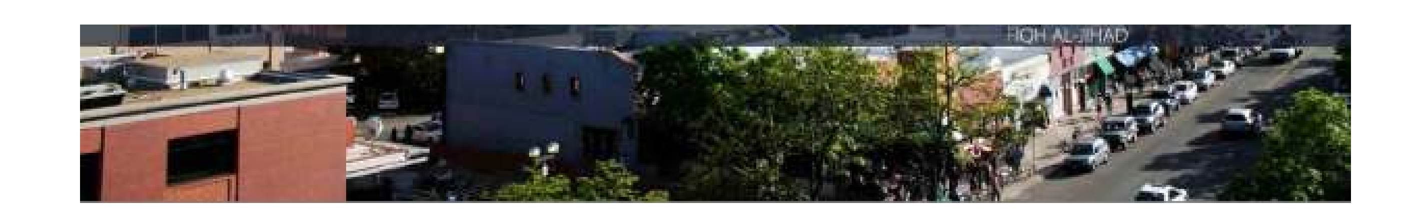
امام المرغنانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " الھدایۃ" میں بیان ہے:

"اگر ایک یا دو افراد امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوں اور کچھ حاصل کر لیں تو پھر اِس مال پر پانچوں حصّے کے حکم کا اطلاق نہیں ہو گا۔"

یہاں مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ دار الحرب سے جو کچھ بھی افراد کو حاصل ہو' اور حاصل کرنے والی فوج نہ ہو' تو پھر اس مال پر غنیمت کے روایتی احکامات لاگو نہیں ہوں گے۔(یعنی دار الحرب سے مال غنیمت حاصل کرنے والے محض چند افراد ہیں یا باقاعدہ فوج ہے'اس مناسبت سے غنیمت کے الگ احکامات لاگو ہوں گے۔)

الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ "الھدایۃ" پر اپنی شرح بعنوان "نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ" میں گذشتہ بیان کی وضاحت اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

"یہ اِس لئے ہے کہ غنیمت قوت کے بل بوتے پر حاصل کی جاتی ہے' چوری یا فریب کے ذریعے نہیں' اور پانچویں حصّے کا حکم صرف غنیمت پر لاگو ہوتا ہے۔ اب اگر ایک فرد یا دو افراد امام کی اجازت سے (دار الحرب میں) داخل ہوں تو پھر دو رائے ہیں۔ سب سے مشہور یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی حاصل کریں اس پر پانچویں حصّے کے حکم کا اطلاق ہو گا کیونکہ امام کی اجازت کا مطلب ہے کہ اب امام کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ (فرد یا افراد) کسی خطرے سے دوچار ہو جائیں تو وہ اُن کی حفاظت کے لئے کمک بھیجے، پس اُن (افراد) کو حفاظتی قوت میسر ہے اور (الھدایۃ کے مصنف لکھتے ہیں:) "اگر ایک گروہ جس کے پاس قوت ہے داخل ہوتا ہے اور کچھ حاصل کرتا ہے تو اس مال پر پانچویں حصّے کا حکم لاگو ہو گا چاہے انہوں نے امام سے اجازت نہ بھی لی ہو۔" ایسا اِس لئے ہے کہ یہ مال قوت کے بل بوتے پر حاصل کیا گیا لہٰذا یہ غنیمت تصور ہو گا اور امام کی بہر حال ذمہ داری ہے کہ اُن کی حفاظت کرے کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ بات مسلمانوں کو کمزور کرے گی، تاہم یہ اُس صورت سے مختلف ہے کہ جس میں صرف ایک یا دو افراد داخل ہوں' کہ ایسی صورت میں اُن کی حفاظت اُس کی ذمہ داری نہیں ہے۔"

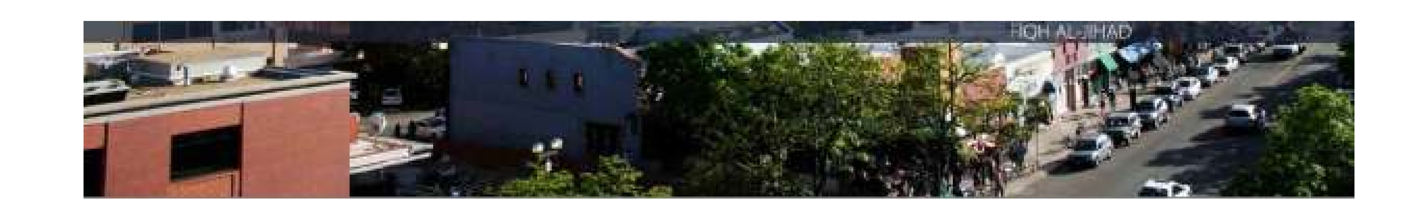


الزیلعی کے نزدیک وہ مال' غنیمت تصور کیا جائے گا جس کو حاصل کرنے والے فرد یا افراد کے مجموعے کو حفاظتی قوت میسر ہو۔ آج مجاہدین کے ساتھ یہ صورتحال نہیں ہے کیونکہ انہیں حفاظت فراہم کرنے والا کوئی امام یا اسلامی حکومت موجود نہیں ہے۔ اِس سے ملتے جلتے بیانات دیگر حنفی فقہی حوالوں میں بھی دیے گئے ہیں جیسے "المبسوط" اور "شرح السیر الکبیر"، یہ دونوں کتابیں امام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ ہیں۔

چنانچہ حنفی مسلک کے نزدیک مالِ غنیمت میں سے جو پانچواں حصّہ نکال کر امیر کے سپرد کیا جاتا ہے وہ حفاظت کا بدل ہوتا ہے (جو امیر کی طرف سے اُس مال کو حاصل کرنے والوں کو میسر ہوتی ہے)۔ اگر اس حفاظت کا سرے سے وجود ہی نہ ہو تو پھر فرد یا افراد کے مجموعے پر کچھ بھی ادا کرنا واجب نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی فرد دار الحرب میں کفار سے اموال حاصل کرلیتا ہے اور ایسا وہ قوت کے استعمال کے بغیر چوری یا فریب کے ذریعے کرتا ہے تو حنفی مذہب کے مطابق یہ مال' غنیمت تصور نہیں ہوگا۔ تو پھر یہ کیا ہوگا؟

اس کا جواب ہمیں ایک اور حنفی حوالے ابو بکر العبّادی رحمۃ اللہ علیہ کی "الجوھرۃ النیرۃ" میں ملتا ہے جو "الھدایۃ" پر اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

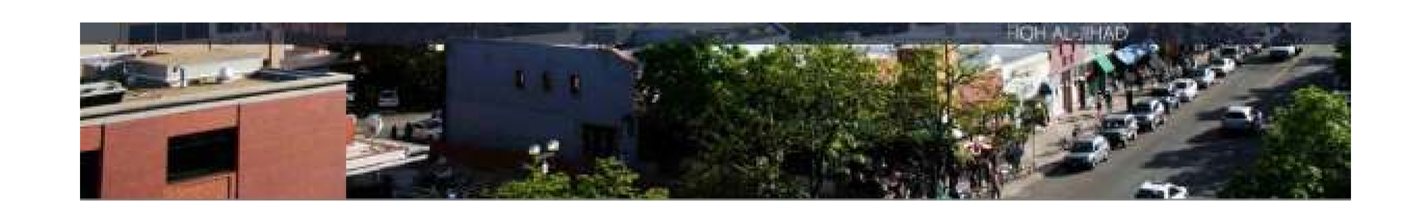
> "اگر ایک یا دو افراد امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں سے کچھ حاصل کرلیتے ہیں تو اِس مال پر پانچویں حصّے کے حکم کا اطلاق نہیں ہوگا، کیونکہ یہ غنیمت نہیں ہے، چونکہ غنیمت وہ مال ہے جو قوت کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو نہ کہ چوری یا فریب کے ذریعے۔ لیکن اگر ایک یا دو افراد امام کی اجازت کے ساتھ داخل ہوں تو پھر دو آراء ہیں۔ مشہور رائے یہ ہے کہ یہ مال پانچ حصّوں میں تقسیم ہوگا جن میں سے چار حصّے اسے حاصل کرنے والوں کو جائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ مال پانچ حصّوں میں تقسیم نہیں ہوگا کیونکہ یہ بذریعہ چوری حاصل کیا گیا۔ پہلی رائے زیادہ قوی ہے کیونکہ امام نے انہیں اجازت دی تھی پس انہوں نے اس کی طرف سے دی گئی حفاظت کے تحت اس مال کو حاصل کیا' چوری کے ذریعے نہیں۔"



مزید کہتے ہیں:

"اگر ایک گروہ جس کے پاس طاقت ہے (دار الحرب میں) داخل ہوتا ہے اور کچھ حاصل کرتا ہے تو اِس مال پر پانچویں حصّے کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے چاہے انہوں نے امام سے اجازت نہ بھی لی ہو، چونکہ اس گروہ کے پاس طاقت ہے اِس لئے اُن کا حاصل کردہ مال' غنیمت تصور ہو گا۔ لیکن' اگر وہ ایسا گروہ ہے جسے حفاظتی قوت میسر نہیں ہے اور وہ امام کی اجازت کے بغیر داخل ہوتا ہے تو پھر اُن کا حاصل کردہ مال' غنیمت تصور نہیں ہو گا، کیونکہ غنیمت وہ مال ہے جو قوت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ لوگ چوروں کی مانند ہیں کیونکہ یہ رازداری سے چوری کرتے ہیں' لہٰذا یہ (مال) غنیمت نہیں ہے۔ چنانچہ' ایسی صورت میں ہر فرد جو حاصل کرے گا وہ اُسی کا ہو گا اور اِس میں کسی اور کا حصّہ نہیں ہو گا' کیونکہ یہ مال ویسے ہی مباح (جائز) تصور ہوتا ہے جیسے شکار یا اکٹھی کی ہوئی لکڑیاں۔"

یہاں غور کیجیے کہ امام العبّادی رحمۃ اللہ علیہ مؤخر الذکر طریقے سے حاصل کردہ مال کا موازنہ شکار یا لکڑیاں اکٹھی کرنے سے کر رہے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جنگل میں جنگلی جانور یا درخت کسی کا "جائز ملکیتی حق" نہیں ہوتے (پس جو انہیں حاصل کرلے اُس کے لئے مباح (جائز) ہوتے ہیں)۔ حاصل کردہ مال کا موازنہ شکار یا لکڑیاں اکٹھی کرنے سے کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ ہماری اسلامی شریعت کے مطابق کفار کے ہاتھوں میں جو املاک ہیں وہ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کی جائز ملکیت تصور نہیں ہوتیں اور جب کبھی اسلام انہیں ملکیت کا حق دیتا ہے تو وہ ایسا بنیادی اصول سے استثنائی صورت میں کرتا ہے، جیسے اہلِ ذمّہ کے معاملے میں جب وہ جزیہ ادا کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے مال کو "فے" کا نام دیا ہے جس کے معنی "واپس لوٹانے" کے ہیں، پس وہ کہتے ہیں کہ کفار کی املاک جو ان کی جائز ملکیت نہیں ہیں مؤمنوں کی طرف "واپس لوٹ" آئی ہیں جو ان املاک کے "جائز مالک" ہیں۔



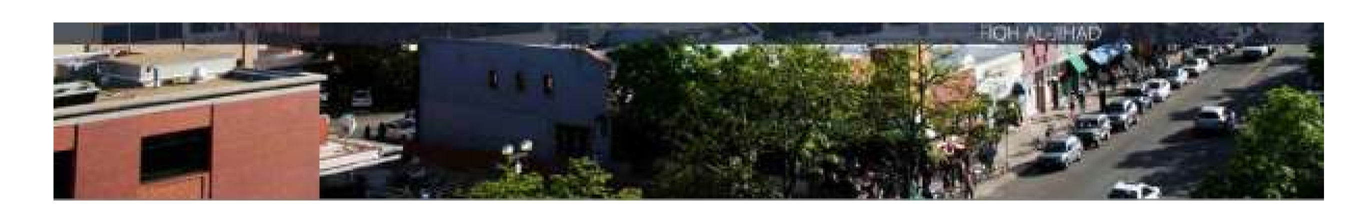
"السیر الصغیر" (حنفی) میں مصنف تحریر کرتے ہیں:

"اگر مسلمانوں یا اہل الذمّہ میں سے ایک دو یا تین آدمی، جن کو کوئی حفاظتی قوت میسر نہ ہو، دار الحرب میں امام کی اجازت کے بغیر داخل ہو جائیں اور وہ مال حاصل کر لیں اور اِس کے ساتھ ارضِ اسلام کی طرف واپس لوٹ آئیں تو جو کچھ انہوں نے حاصل کیا اُن کی ملکیت ہو گا اور اُس میں سے پانچواں حصّہ نہیں لیا جائے گا۔"

آج دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی صورتحال مذکورہ بالا صورت سے مماثل ہے۔ مسلمانوں کو کوئی ایسا امام میسر نہیں ہے جس سے وہ اجازت لیں، انہیں کوئی حفاظتی قوت میسر نہیں ہے اور وہ صرف چوری یا فریب کے ذریعے مال حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کے اصول کے مطابق دار الحرب میں مسلمان جو مال اپنے قبضے میں لیں وہ مکمل طور پر انہی کا ہو گا۔

تاہم، میں اس بات کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آج ایک مسلمان کو ایسا کرنے کے اجازت دے بھی دی جائے تو کچھ ایسے نکات ہیں جن کو مد نظر رکھنا ضروری ہے:

حنفیوں کے نزدیک ایک مسلمان کو "اجازت" ہے کہ وہ دار الحرب میں کفار کا مال چوری کر لے مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ایسا کرنے پر اجر ہے۔ انہوں نے ایسا کرنے کو شکار کرنے یا لکڑیاں اکٹھی کرنے سے تشبیہ دی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ دوسرے حلال ذرائع کی طرح ایک ذریعہ معاش ہے۔ جبکہ ہم مسلمانوں کو کفار کا مال جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں حاصل کرنا چاہیے۔ اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ مال جہاد کے مقصد پر خرچ ہو نہ کہ اپنی ذات پر۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ مسلمان جن کو جہاد سے کوئی غرض نہیں اور جو بس اپنی حیثیت کو بہتر بنانے سے غرض رکھتے ہیں ایسے فتوے کا غلط استعمال کریں۔ ایسے فتوے کا وسیع پیمانے پر غلط استعمال کرنے کی صورت میں یہ نتیجہ بر آمد ہو گا کہ حکومتی اور انتظامی ادارے مسلمانوں پر پابندیاں عائد کر دیں گے اور انہیں شک وشبے کی نگاہ سے دیکھیں گی اور یہ چیز اُن لوگوں کو الٹا منفی طور پر مت أثر کرے گی جو ایسے فتوے کے ذریعے حقیقتاً (جہاد کے) مقصد کی خدمت کرنا چاہتے ہوں گے۔



دیگر تینوں مذاہب کی رائے:

''فتح القدیر'' میں ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''شافعی، مالکی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایک فرد چوری کے ذریعے جو کچھ حاصل کرے گا وہ غنیمت تصور ہو گا۔''

پھر لکھتے ہیں:

''مگر ہم اور امام احمد............اُن سے منسوب ایک یا دو روایات کی بنیاد پر............اسے غنیمت قرار دینے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ غنیمت قوت کے بل بوتے پر حاصل کی جاتی ہے 'چوری یا فریب کے ذریعے نہیں۔ اور چونکہ چور جو حاصل کرتا ہے وہ فریب کے ذریعے ہوتا ہے، تو یہ حلال ذریعۂ معاش تصور ہوتا ہے بالکل جیسے شکار کرنا یا لکڑیاں اکٹھی کرنا۔''

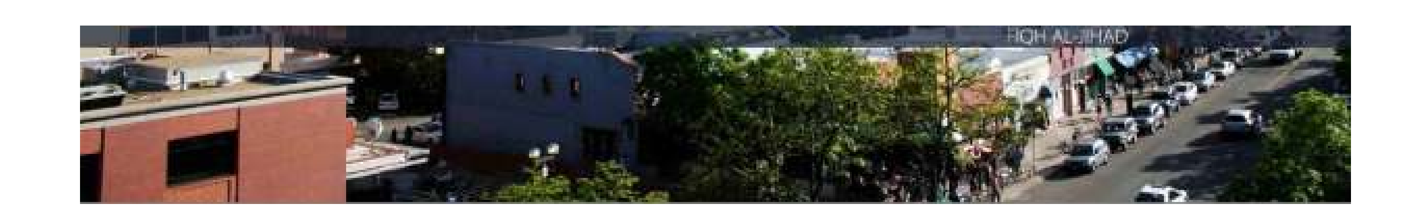
امام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''غنیمت وہ مال ہے جو مسلمان کافروں سے اُن پر غلبہ پا کر حاصل کرتے ہیں۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پھر فرماتے ہیں:

''اور اُن پر غلبہ حاصل کرنے میں قوت کا اعلانیہ استعمال یا رازدارانہ طور پر انہیں فریب دینا شامل ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'جنگ فریب کا نام ہے'۔''

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفار سے رازدارانہ طریقوں سے حاصل کیا جانے والا مال بھی غنیمت تصور کیا جانا چاہیے چاہے قوت کا استعمال نہ بھی کیا گیا ہو۔



ابن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) "تحفۃ المحتاج في شرح المنہاج" میں لکھتے ہیں:

"دار الحرب سے چرایا گیا مال، غنیمت ہے۔"

النووی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) "المنہاج" میں لکھتے ہیں:

"دار الحرب سے قوت کے ذریعے حاصل کیا گیا مال، غنیمت ہے اور اسی طرح کوئی فرد یا گروہ جو مال چوری کے ذریعے حاصل کریں وہ بھی غنیمت ہے۔"

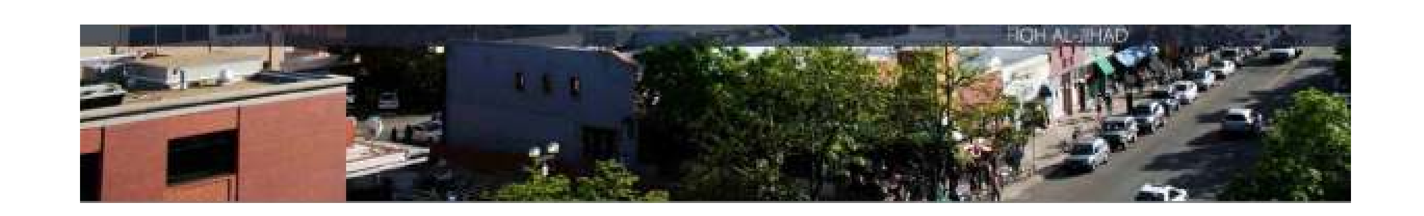
"فتاویٰ السبکی" (شافعی) میں مصنف شافعی مسلک کے دو نامور ترین اماموں، امام غزالی اور امام رافعی، کی آراء بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

"غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کفار سے دولت چراتا ہے تو وہ ساری رقم اُس کی ملکیت بن جاتی ہے اور اِس میں سے پانچواں حصّہ نہیں لیا جاتا۔ رافعی یہ رائے اپناتے ہیں کہ غنیمت کے کسی بھی مال کی طرح چور اس مال کے چار بٹا پانچ حصّے کا مالک ہوتا ہے۔"

ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ (حنبلی) کی "الفروع" میں بیان ہے:

"اگر ایک گروہ یا فرد.......... چاہے وہ فرد غلام ہو.......... امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہو تو پھر اُس کا حاصل کردہ مال فے ہے۔"

اگرچہ کہ حنبلی مسلک میں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ جو مال حاصل کیا جائے گا وہ غنیمت تصور ہو گا، مذکورہ بالا مصنف ایک مختلف رائے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ یہ مال فے ہو گا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ساری رقم امام کے حوالے کر دی جانی چاہیے تا کہ وہ جس طرح چاہے اسے تقسیم کرے۔



امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "الفتاویٰ" میں تحریر کرتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان دار الحرب میں داخل ہوتا ہے:

"اور کفار یا اُن کے بچوں کو اغواء کرتا ہے، یا کسی بھی طرح سے اُن پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے، تو پھر کفار کی جانیں اور مال مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔"

2. دار الحرب میں سود کا مسئلہ

حنفی مسلک کے امام الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

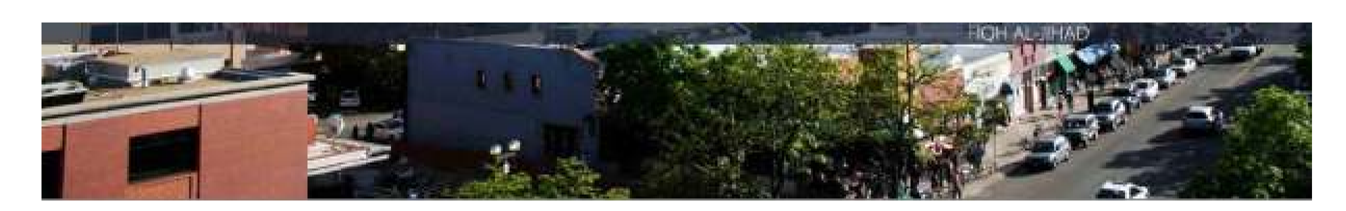
"اگر ایک مسلمان یا ذمّی معاہد دار الحرب میں داخل ہوتا ہے اور وہ کسی حربی کے ساتھ سودی یا کسی اور ایسے لین دین میں داخل ہوتا ہے جو اسلام میں حرام ہیں، تو امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک یہ جائز ہے۔"

تاہم، ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ باقی تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ دار الحرب میں اہلِ حرب سے سود لینا مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

یہی حنفی مسلک کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جو بیان کرتے ہیں کہ:

"مسلمان کے لئے جو چیز دار الاسلام میں جائز نہیں وہ اُس کے لئے دار الحرب میں بھی جائز نہیں۔"

نوٹ: مغرب میں رہنے والے بعض مسلمان آج یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ کفار سے سود لینا جائز ہے لہٰذا ہم اپنے گھروں کو گروی رکھنے کے ذریعے اِن کے لئے مالیات (قرضے) کا بندوبست کرسکتے ہیں۔ یہ مسلمان شیطان اور علمائے سوئ سے دھوکہ کھا گئے ہیں۔ یہ علماء اپنے رائے کو سہارا دینے کے لئے جس حنفی مذہب کا حوالہ دیتے ہیں وہ مسلمانوں کو صرف سود "لینے" کی اجازت دیتا ہے "دینے" کی نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک اِس کی توجیہ یہ ہے کہ کفار سے سود لینا اُن سے پیسہ لینے کے موافق ہے جو بنیادی طور پر ہمارے لئے حلال ہے، چونکہ اُن کی جانیں اور املاک مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ پھر ہم اِس قسم کے فتوے کو یہ دعویٰ کرنے کے لئے کیسے استعمال کرسکتے ہیں کہ ہم اُن کو اپنا مال ادا کرنے کے بھی مجاز ہیں؟!



3. حاصلِ کلام

ہمارے علمائے سلف کے مذکورہ بیانات کی روشنی میں مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

- ہمارے تمام علماء دار الحرب میں کفار کے اموال کو قوت کے بل بوتے پر یا چوری اور فریب کے ذریعے اُن سے چھین لینے کی حلّت پر اتفاق کرتے ہیں۔

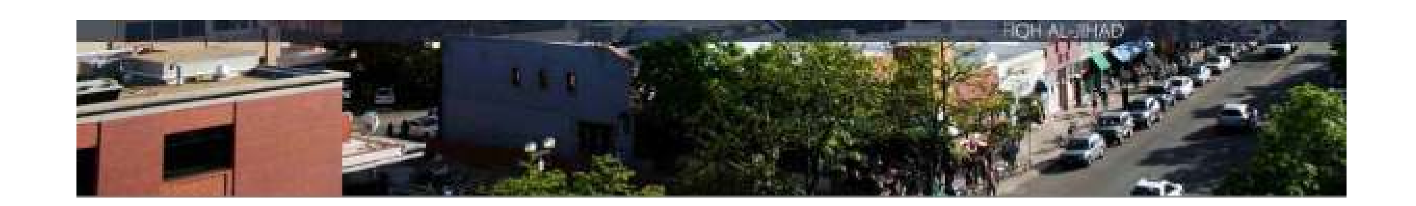
- ہمارے علماءِ اِس بات پر اختلاف رائے رکھتے ہیں کہ چوری اور فریب کے ذریعے حاصل کیے گئے مال کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیے۔ اکثریت کی رائے میں یہ غنیمت ہے۔ چنانچہ اِس کا پانچواں حصّہ امیر کو ادا کیا جانا چاہیے تا کہ جہاد پر خرچ کیا جائے۔ دوسری جانب، حنفیوں کے نزدیک یہ ایک ایسا ذریعۂ آمدن ہے جو مکمل طور پر اسے حاصل کرنے والے کی ملکیت ہوتا ہے۔ اور آخر میں ایک اقلیتی رائے ہے کہ یہ مال فے ہے اور اِس کی تقسیم امیر کی مرضی کی مطابق ہونی چاہیے۔

ہمارے موجودہ دور کے کام پر اثرات:

ہر مسلمان جو دار الحرب میں رہتا ہے اسے اپنی دولت میں سے کچھ بھی کفار کو ادا کرنے سے گریز کرنا چاہیے، چاہے یہ ٹیکسوں، محصولات، یا جرمانوں کی صورت میں ہو۔ اگر ایک مسلمان کفار سے اُن کا مال چھیننے کے ضمن میں اُن کو دھوکہ دینے کا مجاز ہے تو پھر وہ اُنہیں اپنا مال ادا کرنے سے گریز کرنے کے ضمن میں بھی اُنہیں دھوکہ دینے کا مجاز ہے۔

اگرچہ دار الحرب میں افراد کی املاک چھیننا جائز ہے، ہم یہ مشورہ دیتے ہیں کہ مسلمان اُن ممالک کے عام شہریوں کو نشانہ بنانے سے گریز کریں جہاں عوامی رائے کچھ مسلم مقاصد کے لئے حمایتی رجحان رکھتی ہے۔ لہٰذا ہم تجویز پیش کرتے ہیں کہ درج ذیل کو ہدف بنایا جائے:

- حکومتی املاک

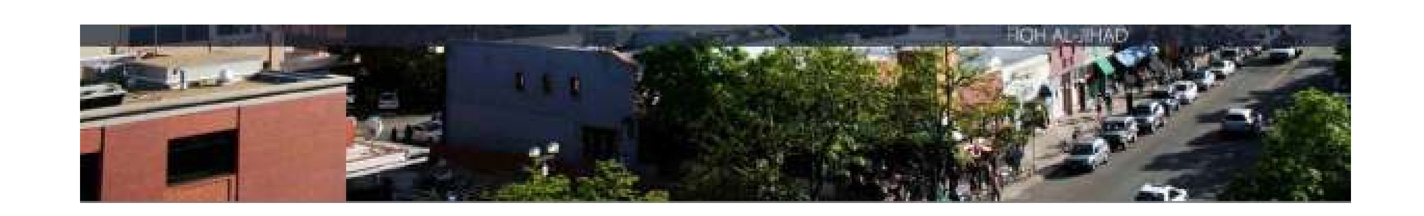


- بینک
- بین الاقوامی کارپوریشنز
- مسلمانوں کے لئے نفرت کے جذبات رکھنے کے لئے معروف و مشہور کفار کی املاک

امریکہ کے معاملے میں حکومت اور عام شہریوں' دونوں کو ہدف بنایا جانا چاہیے۔ آج کے دن اور آج کے دور میں امریکہ اور امریکی لوگ کفر کے امام ہیں۔ جنگ کی آگ بھڑکانے والی حکومتوں کو ووٹ دینے والے امریکی عوام کسی اچھائی کی نیت کے حامل نہیں ہیں۔ جو کوئی انہیں کسی بھی صورت میں ضرر پہنچاتا ہے وہ امّت کے لئے خیر خواہی کر رہا ہے۔

کسی بھی خاص کاروائی کے لئے 'خطرے' اور 'فائدے' (مصلحت) کے تجزیے (اور دونوں کے وزن کا موازنہ کرنے) کو بہت احتیاط کے ساتھ توجہ دینی چاہیے۔ کسی کاروائی کے منظر عام پر آجانے کے بعد جو انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں' اُن کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ اُس (کاروائی) سے حاصل ہونے والے فائدے اُس سے منسلک خطرات کی نسبت بہت بھاری ہوں۔

وہ مسلمان جو جہادی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہم انہیں یہ تجویز دیتے ہیں کہ کفار کے اموال حاصل کرنے کے لئے کسی فرد کے غیر قانونی کاروائی میں ملوث ہونے کا فیصلہ جماعت کے امیر اور شوریٰ کو کرنا چاہیے۔ ہم ایسا اِس لئے کہتے ہیں کہ چونکہ اِس سلسلے میں جماعت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اِس لئے فیصلہ بھی جماعت کا ہی ہونا چاہیے۔ ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ پیسے خرچ کرنے کے بارے میں فیصلہ بھی امیر اور شوریٰ پر چھوڑنا چاہیے۔ تاہم' ہم یہاں یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ اگر جماعت اس رائے کو اپناتی ہے کہ جو کچھ بھی حاصل کیا گیا وہ غنیمت ہے تو اِس صورت میں اگر اسّی (80) فیصد سے کم حصّہ (کاروائی کے ذریعے) مال حاصل کرنے والوں کو دیا جائے تو پھر ایسا شرکائے کاروائی کی منظوری کے ساتھ کیا جانا چاہیے، کیونکہ غنیمت کے احکامات کے مطابق وہ پورے اسّی فیصد کے حقدار ہیں۔ اگر جماعت حنفی رائے پر عمل کرتی ہے تب بھی یہی بات کہی جائے گی۔

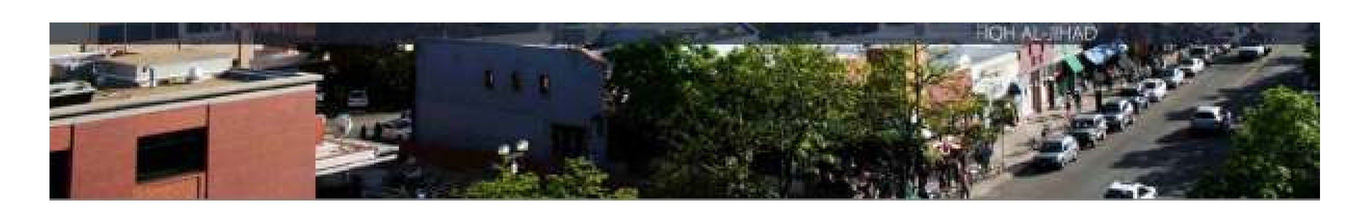


جو مسلمان جہاد کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ منسلک نہیں ہیں اور جو کفار سے غیر قانونی طریقوں سے مال حاصل کر لیتے ہیں اُن کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ایسا سارا مال جہاد کے مقصد کے لئے عطیہ کر دیں' سوائے اِس کے کہ اگر اُن کو ضرورت ہو تو پھر وہ خود بھی اِس میں سے کچھ لے لیں مگر اسّی فیصد سے زیادہ نہ لیں۔

اسلامی کام صرف رضاکاروں پر انحصار نہیں کر سکتا۔ اُن بھائیوں کی اعانت کرنے کے لئے جو اسلامی مقاصد کے لئے کُل وقتی کام کرنا چاہتے ہیں، اُن کے لئے کفار سے حاصل کیے گئے اموال میں سے آمدن (معاش) نکالی جا سکتی ہے۔ یہ (خرچہ) اُن زمروں میں سے ایک ہونا چاہیے جن زمرہ جات میں حاصل کیے جانے والے مال کو خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ جہادی گروہوں کے لئے بالخصوص اہم ہے' کیونکہ یہ وہ کام ہے جس کا انتخاب صرف بہترین سے بہترین لوگ کرتے ہیں' لہٰذا اِس میدان میں انسانی وسائل کا محض ایک چھوٹا سا ذخیرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اِس میدان میں زیادہ سے زیادہ ممکنہ تعداد میں بھائی ہوں جو اپنا سارا وقت پورے انہماک کے ساتھ کام میں لگائیں نہ کہ اپنا بہترین وقت صرف طلبِ معاش میں لگا کر صرف اضافی وقت مقصد کے کام پر صرف کریں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا چاہیے اور غنیمت کے مال پر گزر بسر کرنی چاہیے۔ یہ خاص طور پر اُن بھائیوں کے لئے ضروری ہے جو اپنی جماعتوں میں قیادت کے عہدوں کے حامل ہیں۔

چونکہ دنیا بھر میں جہاد کو مالی امداد کی انتہائی ضرورت ہے' ہم مغرب میں اپنے بھائیوں کو تاکید کرتے ہیں کہ اپنے منصوبوں میں اِس مسئلے کو ترجیح دینا اپنے اوپر لازم کر لیں۔ بجائے اِس کے کہ مسلمان اپنی جیبوں سے جہاد کی مالی امداد کریں' انہیں دشمن کی جیبوں سے اِس کی مالی امداد کرنی چاہیے۔

آخر میں میں اُن باتوں کا جواب دینا چاہوں گا جو بعض کمزور مسلمان کہیں گے کہ ایسے فتوے ''مغرب میں مسلمانوں کے تصور کو گندا'' کریں گے اور ''دعوت و تبلیغ کے لئے اچھے نہیں (یعنی نقصان دہ) ہیں''۔



اِس دعوے کے جواب میں کہ ایسے فتوے ''مغرب میں مسلمانوں کے تصور کو گندا'' کریں گے '

میں کہنا چاہتا ہوں:

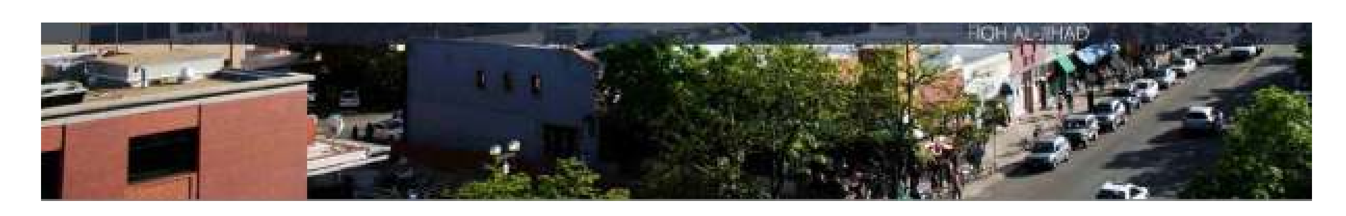
• مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے بنیادی طور پر اچھا تصور رکھا ہی کب سے تھا؟ مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کو ہمیشہ دشمنی کی نظر سے دیکھا۔ مغربی ادب اور مغربی میڈیا میں مسلمانوں کا جو تصور پیش کیا جاتا ہے صرف اُسی کا جائزہ لے لیجیے۔

• اُن کے لئے آپ کا اچھا تصور قائم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ آپ ان کے جیسے ہو جائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ (البقرۃ2: 120)

(یہود و نصاریٰ آپ سے ہر گز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا کوئی نہ تو کوئی ولی ہو گا اور نہ مددگار)۔

• اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے اولیاء کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ (المائدۃ5: 54) (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے)۔ پس تمہیں اِس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے کہ کفار تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں بلکہ تمہیں اِس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُس کا رسول ﷺ اور مؤمنین تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

• مغرب صدیوں سے ہماری دولت کی لوٹ کھسوٹ کر تا رہا ہے۔ اب واپس ادائیگی کا وقت آ گیا ہے۔ انشاء اللہ اب مُرغے چھری کے نیچے آنے والے ہیں (مغرب اپنے اصل انجامِ کار کو پانے والا ہے)۔

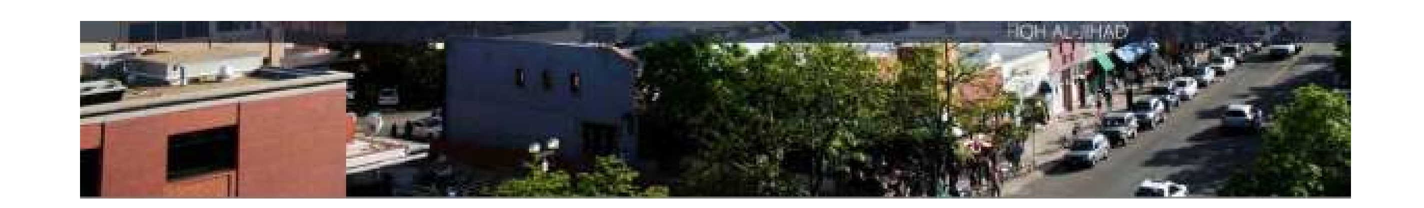


اِس دعوے کے جواب میں کہ ایسے فتوے ''دعوت و تبلیغ کے لئے اچھے نہیں (یعنی نقصان دہ) ہیں''، میں کہتا ہوں:

- دعوت و تبلیغ کے لئے بہترین چیز تلوار ہے۔ اور ایسے فتوے تلوار کی حمایت کریں گے۔ چناچہ یہ بات دعوت و تبلیغ کے لئے اچھی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک دعوت و تبلیغ کرتے رہے تو صرف چند سو لوگ مسلمان ہوئے۔ جب انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو صرف دس سالوں میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ تو پھر مدینہ میں اُن کی دعوت و تبلیغ مکہ کی نسبت زیادہ بار آور کیونکر رہی؟ ایسا اس لئے ہوا کہ مدینہ میں انہوں نے دعوت و تبلیغ کا ایک اعلیٰ و برتر انداز استعمال کیا اور وہ ہے تلوار کے ذریعے دعوت و تبلیغ۔
- آج جہاد فرض عین (فرداً فرداً فرض) ہے۔ لہٰذا یہ اہمیت میں دعوت و تبلیغ پر فوقیت رکھتا ہے' کیونکہ دعوت و تبلیغ سنت مؤکدہ یا زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ جہاد کی اعانت کرنے والی ہر چیز دعوت و تبلیغ کی اعانت کرنے والی چیزوں پر مقدم ہے۔

پیارے بھائیو: جہاد کا مال و دولت پر حد درجہ انحصار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آٹھ آیات میں بدنی جہاد کو بندے کے مالی جہاد سے جوڑا گیا ہے۔ ایک آیت کے سوائے باقی تمام آیات میں مالی جہاد کا ذکر بدنی جہاد سے پہلے آیا ہے۔ یہ اِس لئے ہے کہ مال کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ ہمارے دشمنوں کو اِس بات کا شعور حاصل ہو چکا ہے چنانچہ اب وہ ''پیسوں کے راستوں کا تعاقب'' اور ''دہشت گردی'' کی مالی امداد کے تمام ذرائع کو مسدود کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

ہمارا جہاد صرف مسلمانوں کے عطیات پر مکمل انحصار نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی لشکر صرف اِس مقصد کے لئے روانہ کیے تاکہ وہ کفار کے قافلوں پر ہلّہ بولیں۔ نہ صرف جہاد غنیمت کے مال سے مالی اعانت حاصل کرتا تھا بلکہ ہماری تاریخ کے سارے ابتدائی دور میں اسلامی بیت المال (خزانہ) بھی زیادہ تر جہاد سے ہونے والی آمدنی پر انحصار کرتا تھا۔ خراج کے نام سے ایک



ٹیکس اُن اراضی پر عائد کیا گیا تھا جو مسلمانوں نے فتح کی تھیں، غلام بنائے گئے جنگی قیدیوں کو بیچا جاتا تھا، اوراہلِ کتاب جزیہ دیتے تھے۔ یہ تمام وسائل جہاد سے صادر ہوتے تھے۔ زکوٰۃ اور صدقہ مسلم حکومت کی آمدن کا محض ایک چھوٹا سا حصّہ تھے۔

یہ وقت ہے کہ ہم عطیات پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے کام کو مضبوط مالی سہارا فراہم کرنے کے لئے سنجیدہ اقدامات اٹھائیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں مجاہدین کے اعلیٰ مرتبے عطا فرمائے اور ہم سب کی بخشش فرمائے، آمین۔



اخوانکم فی الاسلام:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website: http://muwahideen.co.nr/
Email: salafi.man@live.com